

مکتوب (۴۵)

(۴۵) وَمِنْ كِتَابِ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

جب حضرت کو یہ خبر پہنچی کہ والی بصرہ عثمان ابن حنیف کو وہاں کے لوگوں نے کھانے کی دعوت دی ہے اور وہ اس میں شریک ہوتے ہیں تو انہیں تحریر فرمایا:

اے ابن حنیف! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بصرہ کے جوانوں میں سے ایک شخص نے تمہیں کھانے پر بلایا اور تم لپک کر پہنچ گئے کہ رنگارنگ کے عمدہ عمدہ کھانے تمہارے لئے چن چن کر لائے جا رہے تھے اور بڑے بڑے پیالے تمہاری طرف بڑھائے جا رہے تھے۔ مجھے امید نہ تھی کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کر لو گے کہ جن کے یہاں سے فقیر و نادار دھنکارے گئے ہوں اور دولت مند مدعو ہوں۔ جو لقمے چباتے ہو انہیں دیکھ لیا کرو، اور جس کے متعلق شبہ بھی ہو اسے چھوڑ دیا کرو، اور جس کے پاک و پاکیزہ طریق سے حاصل ہونے کا یقین ہو اس میں سے کھاؤ۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مقتدی کا ایک پیشوا ہوتا ہے جس کی وہ پیروی کرتا ہے، اور جس کے نور علم سے کسب ضیا کرتا ہے۔ دیکھو! تمہارے امام کی حالت تو یہ ہے کہ اس نے دنیا کے ساز و سامان میں سے دو پھٹی پرانی چادروں اور کھانے میں سے دو روٹیوں پر قناعت کر لی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ تمہارے بس کی یہ بات نہیں، لیکن اتنا تو کرو کہ پرہیزگاری، سعی و کوشش، پاکدامنی اور سلامت روی میں میرا ساتھ دو۔ خدا کی قسم! میں نے تمہاری دنیا سے سونا سمیٹ کر نہیں رکھا، اور نہ اس کے مال و متاع میں سے انبار جمع کر رکھے ہیں، اور نہ ان پرانے کپڑوں کے بدلہ میں (جو پہنے ہوئے ہوں) اور کوئی پرانا کپڑا میں نے مہیا کیا ہے۔

إِلَى عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ الْأَنْصَارِيِّ، وَهُوَ عَامِلُهُ عَلَى الْبَصْرَةِ، وَقَدْ بَلَغَهُ أَنَّ دُعَى إِلَى وَارِثَةِ قَوْمٍ مِنْ أَهْلِهَا، فَمَضَى إِلَيْهَا أَمَّا بَعْدُ! يَا ابْنَ حُنَيْفٍ! فَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ رَجُلًا مِّنْ فِتْيَةِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ دَعَاكَ إِلَى مَادِبَةٍ، فَاسْرَعْتَ إِلَيْهَا، فَاسْتَطَابَ لَكَ الْأَلْوَانُ، وَتُنْقَلُ إِلَيْكَ الْجِفَانُ، وَمَا ظَنَنْتُ أَنَّكَ تُجِيبُ إِلَى طَعَامِ قَوْمٍ عَابِلُهُمْ مَّجْفُوءٌ، وَغَنِيَّهُمْ مَدْعُوءٌ، فَانظُرْ إِلَى مَا تَقْضِيهِ مِنْ هَذَا الْمَقْضَمِ، فَمَا اشْتَبَهَ عَلَيْكَ عِلْمُهُ فَالْفِظُهُ، وَمَا أَيْقَنْتَ بِطَيْبِ وُجُوهِهِ فَانْقَلِبْ مِنْهُ.

أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَأْمُومٍ إِمَامًا يَّقْتَدِي بِهِ، وَيَسْتَضِيءُ بِنُورِ عَلَيْهِ، أَلَا وَإِنَّ إِمَامَكُمْ قَدْ اكْتَفَى مِنْ دُنْيَاهُ بِطَمْرِيهِ، وَ مِنْ طَعْمِهِ بِقَرْصِيهِ، أَلَا وَ إِنَّكُمْ لَا تَقْدِرُونَ عَلَى ذَلِكَ، وَ لَكِنْ أَعْيُنُونِي بِوَرَعٍ وَ اجْتِهَادٍ، وَ عِفَّةٍ وَ سَدَادٍ. فَوَاللَّهِ! مَا كُنْتُ مِنْ دُنْيَاكُمْ تَبَرًّا، وَ لَا ادَّخَرْتُ مِنْ غَنَائِمِهَا وَفَرًّا، وَ لَا أَعَدَدْتُ لِبَابِي ثَوْبِي طَمْرًا.

بے شک اس آسمان کے سایہ تلے لے دے کر ایک فدک^۱ ہمارے ہاتھوں میں تھا، اس پر بھی کچھ لوگوں کے منہ سے رال ٹپکی اور دوسرے فریق نے اس کے جانے کی پروا نہ کی اور بہترین فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔ بھلا میں فدک یا فدک کے علاوہ کسی اور چیز کو لے کر کروں ہی گا کیا؟ جبکہ نفس کی منزل کل قبر قرار پانے والی ہے کہ جس کی اندھیاریوں میں اس کے نشانات مٹ جائیں گے اور اس کی خبریں ناپید ہو جائیں گی۔ وہ تو ایک ایسا گڑھا ہے کہ اگر اس کا پھیلاؤ بڑھا بھی دیا جائے اور گورکن کے ہاتھ اسے کشادہ بھی رکھیں، جب بھی پتھر اور کنکر اس کو تنگ کر دیں گے اور مسلسل مٹی کے ڈالے جانے سے اس کی دراڑیں بند ہو جائیں گی۔

میری توجہ تو صرف اس طرف ہے کہ میں تقوائے الہی کے ذریعہ اپنے نفس کو بے قابو نہ ہونے دوں، تاکہ اس دن کہ جب خوف حد سے بڑھ جائے گا، وہ مطمئن رہے اور پھسلنے کی جگہوں پر مضبوطی سے جمار ہے۔ اگر میں چاہتا تو صاف سترے شہد، عمدہ گیبوں اور ریشم کے بنے ہوئے کپڑوں کیلئے ذرائع مہیا کر سکتا تھا۔ لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے کہ خواہشیں مجھے مغلوب بنالیں اور حرص مجھے اچھے اچھے کھانوں کے چن لینے کی دعوت دے، جبکہ جاز و میامہ میں شاید ایسے لوگ ہوں جنہیں ایک روٹی کے ملنے کی بھی آس نہ ہو اور انہیں پیٹ بھر کر کھانا کبھی نصیب نہ ہوا ہو۔ کیا میں شکم سیر ہو کر پڑا رہا کروں، درآنحالانکہ میرے گرد و پیش بھوکے پیٹ اور پیاسے جگر تڑپتے ہوں؟ یا میں ویسا ہو جاؤں جیسا کہنے والے نے کہا ہے کہ:

”تمہاری بیماری یہ کیا کم ہے تم پیٹ بھر کر لمبی تان لو اور تمہارے گرد کچھ ایسے جگر ہوں جو سوکھے چڑے کو ترس رہے ہوں؟“

بَلَى كَانَتْ فِيْ اَيِّدِنَا فِدَاكَ مِنْ
كُلِّ مَا اَظْلَمْتُهُ السَّمَاءُ، فَسَخَّتْ عَلَيْهَا
نُفُوسُ قَوْمٍ، وَسَخَّتْ عَنْهَا نُفُوسُ اٰخَرِيْنَ،
وَ نِعْمَ الْحَكْمُ اللّٰهُ. وَ مَا اَصْنَعُ بِفِدَاكِ وَ
غَيْرِ فِدَاكِ، وَ النَّفْسُ مَظَانُّهَا فِيْ غِدِّ جَدَّتْ،
تَنْقَطِعُ فِيْ ظِلْمَتِهِ اَثَارُهَا، وَ تَغِيْبُ
اَخْبَارُهَا، وَ حُفْرَةٌ لَّوْ زَيْدٍ فِيْ فُسْحَتِهَا وَ
اَوْسَعَتْ يَدَا حَافِرِهَا، لَاصْغَطَهَا
الْحَجَرُ وَ الْمَدْرُ، وَ سَدَّ فُرْجَهَا
التُّرَابُ الْمُتَوَاكِمُ.

وَ اِنْسَاهِيْ نَفْسِيْ اَرُوْضَهَا بِالتَّقْوَى، لِيَتَّأَيَّ
اَمْنَةً يَوْمَ الْخَوْفِ الْاَكْبَرِ، وَ تَتَّبِتْ عَلٰى
جَوَانِبِ الْمَرْتَقِ. وَ لَوْ شِئْتُ لَاهْتَدَيْتُ
الطَّرِيْقَ اِلَى مُصَفًى هَذَا الْعَسَلِ، وَ لُبَابِ
هَذَا الْقَمْحِ، وَ نَسَائِجِ هَذَا الْقَزِّ، وَ لَكِنْ
هِيَهَا تَنْ يَّغْلِبُنِيْ هَوَايَ، وَ يَفْقُوْدُنِيْ
جَشَعِيْ اِلَى تَخْيِيْرِ الْاَطْعِمَةِ، وَ لَعَلَّ بِالْحِجَازِ
اَوْ الْيَمَامَةِ مَنْ لَا طَمَعَ لَهُ فِي الْقُرْصِ، وَ لَا
عَهْدَ لَهُ بِالشَّبْعِ، اَوْ اَبِيْتِ مِبْطَانًا وَ
حَوْطِيْ بُطُوْنٌ غَرْتِيْ، وَ اَكْبَادُ حَرِيْ،
اَوْ اَكُوْنُ كَمَا قَالَ الْقَائِلُ:

وَ حَسْبُكَ دَاءٌ اَنْ تَبِيْنَ بِبِطْنَةٍ
وَ حَوْلِكَ اَكْبَادُ تَحْنُ اِلَى الْقِدِّ

کیا میں اسی میں مگن رہوں کہ مجھے امیر المؤمنین کہا جاتا ہے مگر میں زمانہ کی سختیوں میں مومنوں کا شریک و ہمدم اور زندگی کی بد مزگیوں میں ان کیلئے نمونہ نہ بنوں؟ میں اس لئے تو پیدا نہیں ہوا ہوں کہ اچھے اچھے کھانوں کی فکر میں لگا رہوں، اس بندھے ہوئے چوپایہ کی طرح جسے صرف اپنے چارے ہی کی فکر رہتی ہے، یا اس کھلے ہوئے جانور کی طرح جس کا کام منہ مارنا ہوتا ہے۔ وہ گھاس سے پیٹ بھر لیتا ہے اور جو اس سے مقصد پیش نظر ہوتا ہے اس سے غافل رہتا ہے۔ کیا میں بے قید و بند چھوڑ دیا گیا ہوں یا بیکار کھلے بندوں رہا کر دیا گیا ہوں کہ گمراہی کی رسیوں کو کھینچتا رہوں اور بھٹکنے کی جگہوں میں منہ اٹھائے پھرتا رہوں؟۔

میں سمجھتا ہوں تم میں سے کوئی کہے گا کہ: جب ابن ابی طالب کی خوراک یہ ہے تو ضعف و ناتوانائی نے اسے حریفوں سے بھڑنے اور دلیروں سے ٹکرانے سے بٹھا دیا ہوگا۔ مگر یاد رکھو کہ جنگل کے درخت کی لکڑی مضبوط ہوتی ہے اور تر تازہ پیڑوں کی چھال کمزور اور پتلی ہوتی ہے، اور صحرائی جھاڑ کا ایندھن زیادہ بھڑکتا ہے اور دیر میں بجھتا ہے۔

مجھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی نسبت ہے جو ایک ہی جڑ سے پھوٹنے والی دو شاخوں کو ایک دوسرے سے اور کلائی کو بازو سے ہوتی ہے۔ خدا کی قسم! اگر تمام عرب ایکا کر کے مجھ سے بھڑنا چاہیں تو میدان چھوڑ کر پیٹھ نہ دکھاؤں گا، اور موقع پاتے ہی ان کی گردنیں دبوچ لینے کیلئے لپک کر آگے بڑھوں گا اور کوشش کروں گا کہ اس الٹی کھوپڑی والے بے ہنم ڈھانچے (معاویہ) سے زمین کو پاک کر دوں، تاکہ کھلیان کے دانوں سے کنکر نکل جائے۔

أَفَنُحُّ مِنْ نَفْسِي بِأَنْ يُقَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا أَشَارِكُهُمْ فِي مَكَارِهِ الدَّهْرِ؟ أَوْ أَكُونَ أُسْوَةً لَهُمْ فِي جُشُوبَةِ الْعَيْشِ؟ فَمَا خَلَقْتُ لِيَسْغَلَنِي أَكْلُ الطَّيِّبَاتِ كَالْبَهِيمَةِ الْمَرْبُوطَةِ هَهَا عَافِيَا، أَوْ الْمُرْسَلَةِ شُغْلَهَا تَقْسُمَهَا، تَكَتْرِشُ مِنْ أَعْلَافِهَا، وَ تَلَهُوُ عَمَّا يُرَادُ بِهَا، أَوْ أُتْرِكَ سُدَى، أَوْ أَهْمَلَ عَابِثًا، أَوْ أَجَرَ حَبْلَ الضَّلَالَةِ، أَوْ أَعْتَسَفَ طَرِيقَ الْمَتَاهَةِ.

وَ كَانِي بِقَائِلِكُمْ يَقُولُ: إِذَا كَانَ هَذَا قُوَّتِ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ، فَقَدْ قَعَدَ بِهِ الضَّعْفُ عَنْ قِتَالِ الْأَقْرَانِ، وَ مُنَازَلَةِ الشُّجْعَانِ. أَلَا وَ إِنَّ الشَّجَرَةَ الْبَرِّيَّةَ أَصْلَبُ عُوْدًا، وَ الرَّوَاعِيحَ الْخَضِرَةَ أَرْقُ جُلُودًا، وَ النَّبَاتَاتِ الْبَدَوِيَّةَ أَقْوَى وَ قُوْدًا، وَ أَبْطَأَ حُمُودًا.

وَ أَنَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ كَالصَّنُو مِنَ الصَّنُو، وَ الدِّرَاعِ مِنَ الْعُضْدِ، وَ اللَّهِ! لَوْ تَقَاهَرَتِ الْعَرَبُ عَلَى قِتَالِي لَمَا وَ لَيْتَ عَنْهَا، وَ لَوْ أَمَكَّنَتِ الْفُرُصُ مِنْ رِقَابِهَا لَسَارَعَتْ إِلَيْهَا، وَ سَأَجْهَدُ فِي أَنْ أُطَهِّرَ الْأَرْضَ مِنْ هَذَا الشَّخْصِ الْمَعْكُوسِ، وَ الْجِسْمِ الْمَرْكُوسِ، حَتَّى تَخْرُجَ الْمَدْرَةُ مِنْ بَيْنِ حَبِّ الْحَصِينِ.

اے دنیا! میرا پیچھا چھوڑ دے، تیری باگ ڈور تیرے کاندھے پر ہے۔ میں تیرے پنچوں سے نکل چکا ہوں، تیرے پھندوں سے باہر ہو چکا ہوں اور تیری پھسلنے کی جگہوں میں بڑھنے سے قدم روک رکھے ہیں۔ کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں تو نے کھیل تفریح کی باتوں سے چکے دیئے؟ کدھر ہیں وہ جماعتیں جنہیں تو نے اپنی آرائشوں سے ورغلائے رکھا؟ وہ تو قبروں میں جکڑے ہوئے اور خاکِ لحد میں ڈبکے پڑے ہیں۔

اگر تو دکھائی دینے والا مجسمہ اور سامنے آنے والا ڈھانچہ ہوتی تو بخدا! میں تجھ پر اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں جاری کرتا کہ تو نے بندوں کو امیدیں دلا دلا کر بہکایا، قوموں کی قوموں کو (ہلاکت کے) گڑھوں میں لا پھینکا اور تاجداروں کو تباہیوں کے حوالے کر دیا اور سختیوں کے گھاٹ پر لا اتارا، جن پر اس کے بعد نہ سیراب ہونے کیلئے اتر جائے گا اور نہ سیراب ہو کر پلٹا جائے گا۔

پناہ بخدا! جو تیری پھسلن پر قدم رکھے گا وہ ضرور پھسلے گا، جو تیری موجوں پر سوار ہوگا وہ ضرور ڈوبے گا اور جو تیرے پھندوں سے بچ کر رہے گا وہ توفیق سے ہمکنار ہوگا۔ تجھ سے دامن چھڑالینے والا پروا نہیں کرتا، اگرچہ دنیا کی وسعتیں اس کیلئے تنگ ہو جائیں۔ اس کے نزدیک تو دنیا ایک دن کے برابر ہے کہ جو ختم ہوا چاہتا ہے۔

مجھ سے دور ہو! (خدا کی قسم) میں تیرے قابو میں آنے والا نہیں کہ تو مجھے ذلتوں میں جھونک دے اور نہ میں تیرے سامنے اپنی باگ ڈھیلی چھوڑنے والا ہوں کہ تو مجھے ہنکالے جائے۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں، ایسی قسم جس میں اللہ کی مشیت کے علاوہ کسی چیز کا استثناء نہیں کرتا کہ میں اپنے نفس کو ایسا سدا ہوں گا کہ وہ کھانے میں ایک روٹی کے ملنے پر خوش ہو جائے، اور اس کے ساتھ صرف نمک پر قناعت کر لے،

إِلَيْكَ عَنِّي يَا دُنْيَا! فَحَبْلُكَ عَلَى غَارِبِكَ، قَدِ انْسَلَكْتُ مِنْ مَخَالِبِكَ، وَ أَفَلْتُ مِنْ حَبَائِلِكَ، وَ اجْتَنَبْتُ الذَّهَابَ فِي مَدَاحِضِكَ، أَيْنَ الْقُرُونُ الَّذِينَ عَزَّرْتَهُمْ بِمَدَاعِيكَ؟ أَيْنَ الْأُمَّمُ الَّذِينَ فَتَنْتَهُمْ بِزَخَارِفِكَ، هُمْ رَهَائِنُ الْقُبُورِ، وَ مَضَامِينُ اللُّحُودِ.

وَ اللهُ! لَوْ كُنْتَ شَخْصًا مَرِيئًا وَ قَابِلًا حَسِيًّا، لَأَقَمْتُ عَلَيْكَ حُدُودَ اللهُ فِي عِبَادِ عَزَّرْتَهُمْ بِالْأَمَانِي، وَ أُمَّمِ أَلْقَيْتَهُمْ فِي الْمَهَاوِي، وَ مُلُوكِ اسَلَبْتَهُمْ إِلَى التَّلْفِ، وَ أَوْرَدْتَهُمْ مَوَارِدَ الْبَلَاءِ، إِذْ لَا وَرْدَ وَ لَا صَدْرَ.

هَيْهَاتَ مَنْ وَطِئَ دَحْضَكَ زَلِقَ، وَ مَنْ رَكِبَ لِبَجَاكَ غَرِقَ، وَ مَنْ اَزُورَ عَنْ حَبَائِلِكَ وَفَقِيَ، وَ السَّلَامُ مِنْكَ لَا يُبَالِي إِنْ ضَاقَ بِهِ مَنَاخُهُ، وَ الدُّنْيَا عِنْدَهُ كَيَوْمٍ حَانَ انْسِلَاخُهُ.

أُعْزِي عَنِّي، فَوَاللهِ! لَا أَدُلُّ لَكَ فَتَسْتَدْلِينِي، وَ لَا أَسْأَلُ لَكَ فَتَقُودِينِي، وَ أَيْمُ اللهُ! - يَبِينُنَا اسْتَنْبِي فِيهَا بِمَشِيئَةِ اللهُ - لَأَرُوضَنَّ نَفْسِي رِيَاضَةً تَهَشُّ مَعَهَا إِلَى الْقُرْصِ، إِذَا قَدَرْتُ عَلَيْهِ مَطْعُومًا، وَ تَفَنَعُ بِاللِيلِحِ مَادُومًا، وَ لَأَدَعَنَّ

اور اپنی آنکھوں کا سوتا سا طرح خالی کردوں گا جس طرح وہ چشمہ آب
جس کا پانی تہ نشین ہو چکا ہو۔

کیا جس طرح بکریاں پیٹ بھر لینے کے بعد سینہ کے بل بیٹھ جاتی
ہیں اور سیر ہو کر اپنے باڑے میں گھس جاتی ہیں اسی طرح علیؑ بھی اپنے
پاس کا کھانا کھالے اور بس سو جائے؟ اس کی آنکھیں بے نور ہو جائیں
اگر وہ زندگی کے طویل سال گزارنے کے بعد کھلے ہوئے چوپاؤں اور
چرنے والے جانوروں کی پیروی کرنے لگے۔

خوشا نصیب! اس شخص کے کہ جس نے اللہ کے فرائض
کو پورا کیا، سختی اور مصیبت میں صبر کئے پڑا رہا، راتوں کو
اپنی آنکھوں کو بیدار رکھا، اور جب نیند کا غلبہ ہوا تو ہاتھ
کو تکیہ بنا کر ان لوگوں کے ساتھ فرش خاک پر پڑا رہا،
کہ جن کی آنکھیں خوفِ حشر سے بیدار، پہلو بچھوٹوں
سے الگ اور ہونٹ یادِ خدا میں زمزمہ سنج رہتے ہیں،
اور کثرتِ استغفار سے جن کے گناہ چھٹ گئے ہیں۔
”یہی اللہ کا گروہ ہے اور بیشک اللہ کا گروہ ہی کامران
ہونے والا ہے۔“

اے ابنِ حنیف! اللہ سے ڈرو اور اپنی ہی روٹیوں پر قناعت کرو،
تا کہ جہنم کی آگ سے چھٹکارا پاسکو۔

--☆☆--

مُقَلَّتِي كَعَيْنِ مَاءٍ نَضَبَ مَعِينُهَا،
مُسْتَفْرَعَةً دُمُوعُهَا.

أَتَمْتَلِي السَّائِبَةَ مِنْ رَعِيهَا فَتَبُوكِ، وَ
تَشْبَعُ الرَّبِيضَةَ مِنْ عُشْبِهَا فَتَرِبُضِ، وَ
يَأْكُلُ عَلِيٌّ مَنْ زَادَهُ فِيهِ جَع؟ قَرَّتْ إِذَا عَيْنُهُ
إِذَا اقْتَدَى بَعْدَ السِّنِينَ الْمُتَطَوَّلَةِ،
بِالْبَهِيمَةِ الْهَامِلَةِ، وَالسَّائِبَةِ الْمُرْعِيَّةِ.

طُوبَى لِنَفْسٍ آدَتْ إِلَى رَبِّهَا فَرَضَهَا، وَ
عَرَكَتْ بِجَنْبِهَا بُوَسَّهَا، وَهَجَرَتْ فِي اللَّيْلِ
عُمُضَهَا، حَتَّى إِذَا غَلَبَ الْكَرَى عَلَيْهَا
افْتَوَشَتْ أَرْضَهَا، وَتَوَسَّدَتْ كَفَّهَا، فِي مَعْشَرٍ
أَسْهَرَ عَيْونَهُمْ خَوْفُ مَعَادِهِمْ، وَتَجَافَتْ
عَنْ مَضَاجِعِهِمْ جُنُوبُهُمْ، وَهَمَّهَتْ بِذِكْرِ
رَبِّهِمْ شِفَاهُهُمْ، وَتَقَشَّعَتْ بِطُولِ
اسْتِغْفَارِهِمْ دُنُوبُهُمْ، ﴿أَوْلِيكَ حِزْبُ اللَّهِ ط
الْآنَ حِزْبُ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾.

فَاتَّقِ اللَّهَ يَا ابْنَ حَنِيفٍ! وَتَتَكْفِكَ
أَقْرَابُكَ لِيَكُونَ مِنَ النَّارِ خَلَاصَكَ.

-----☆☆-----

ط "فک" مدینہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک سرسبز و شاداب مقام تھا جو یہودیوں کی ملکیت تھا اور انہی سے سنہ ۷ھ میں یہ علاقہ
پیغمبر اسلام ﷺ کو صلح کے طور پر حاصل ہوا۔ اس مصالحت کی وجہ یہ ہوتی کہ جب انہیں فتح خیبر کے بعد مسلمانوں کی طاقت کا صحیح اندازہ ہوا
تو ان کے جنگجو یا نہ جو صلے پرست ہو گئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے کچھ یہودیوں کو پناہ طلب کرنے پر چھوڑ دیا ہے، انہوں نے بھی
رسول خدا ﷺ کو پیغام صلح بھیج کر خواہش کی کہ ان سے فک کا علاقہ لے لیا جائے اور ان کی سرزمین کو جنگ کی آماجگاہ نہ بنایا جائے۔ چنانچہ
پیغمبر اکرم ﷺ نے ان کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے انہیں امان دے دی اور یہ علاقہ آپ کی خصوصی ملکیت قرار پا گیا، جس میں کسی اور کا

ذیل رہتا اور نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ دوسرے مسلمانوں کا انہی اموال میں حصہ ہوتا ہے کہ جنہیں جہاد کے نتیجے میں بطور غنیمت انہوں نے حاصل کیا ہو، اور جو مال بغیر فوج کشی کے حاصل ہوا ہو وہ مال ”فے“ کہلاتا ہے جو صرف پیغمبر ﷺ کا حق ہوتا ہے جس میں کسی اور کا حصہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۗ﴾

جو مال اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو ان لوگوں سے بغیر جنگ کے دلوا یا کہ جس کیلئے زخم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ، (اس میں تمہارا کوئی حق نہیں)، بلکہ اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا کرتا ہے۔^۱

اور اس بارے میں کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا کہ ”فدک“ فوج کشی کے بغیر حاصل ہوا، اس لئے یہ آنحضرت ﷺ کی ذاتی جائیداد تھی جس میں کسی دوسرے کا استحقاق نہیں تھا۔ چنانچہ مورخ طبری تحریر کرتے ہیں:

وَكَانَتْ فَدَكُ خَالِصَةً لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ، لِأَنََّّهُمْ لَهُمْ يَجْلِبُونَ عَلَيْهَا بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ.
فدک رسول اللہ ﷺ سے مخصوص تھا، کیونکہ اس پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ۔ (طبری، ج ۲، ص ۳۰۳)
اور امام بلاذری تحریر فرماتے ہیں کہ:

وَكَانَتْ فَدَكُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ خَاصَّةً، لِأَنَّهُ لَمْ يُوجِفِ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهَا بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ.
فدک رسول اللہ ﷺ کی خصوصی ملکیت تھا۔ کیونکہ اس پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ۔ (فتوح البلدان، ص ۳۷)

اور یہ بھی مسلم حیثیت سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں یہ علاقہ جناب سیدہ کو بطور ہبہ عطا کر دیا تھا۔ چنانچہ ملا علی مرتضیٰ تحریر کرتے ہیں کہ:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَإِذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّتْ﴾^۲ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا فَاطِمَةُ! لَكَ فَدَكُ.

ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جب آیہ ﴿وَإِذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّتْ﴾ نازل ہوا تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ:

”اے فاطمہ! فدک تمہارا حصہ ہے“۔ (کنز العمال، ج ۲، ص ۱۰۸)

جب حضرت ابو بکر برسر اقتدار آئے تو انہوں نے حکومت کی بعض مصلحتوں کے پیش نظر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو بے دخل کر دیا اور فدک ان کے قبضہ سے نکال لیا۔ چنانچہ ابن حجر تحریر کرتے ہیں:

^۱ سورہ حشر، آیت ۶۔

^۲ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۲۶۔

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ اسْتَنْعَ مِنْ فَاطِمَةَ فَذَكَ.

ابو بکر نے جناب فاطمہ علیہا السلام کے ہاتھ سے فذک چھین لیا۔ (صواعق عرقہ ص ۳۲)

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور حضرت ابو بکر سے احتجاج کرتے ہوئے فرمایا کہ: تم نے فذک پر قبضہ کر لیا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں مجھے ہبہ فرما چکے تھے۔ جس پر ابو بکر نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے ہبہ کے گواہ طلب کئے۔ چنانچہ امیر المؤمنین علیہ السلام اور ام ایمن نے ان کے حق میں گواہی دی۔ مگر حضرت ابو بکر کے نزدیک یہ شہادت قابل تسلیم نہیں سمجھی گئی اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے دعویٰ کو غلط بیانی پر محمول کرتے ہوئے خارج کر دیا گیا۔ چنانچہ امام بلاذری تحریر فرماتے ہیں:

قَالَتْ فَاطِمَةُ لِأَبِي بَكْرٍ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جَعَلَ لِي فَذَكَ فَأَعْطَيْتَنِي إِيَّاهَا، وَ شَهِدَ لَهَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَسَأَلَهَا شَاهِدًا آخَرَ، فَشَهِدَتْ لَهَا أُمُّ أَيْمَنَ، فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتَ يَا بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ! إِنَّهُ لَا تَجُوزُ إِلَّا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَ أَمْرَ اثْنَيْنِ.

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے ابو بکر سے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فذک مجھے دیا تھا، لہذا وہ میرے حوالے کرو اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان کے حق میں گواہی دی۔ حضرت ابو بکر نے دوسرے گواہ کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ دوسری گواہی ام ایمن نے دی، جس پر ابو بکر نے کہا: اے دختر رسول! تم جانتی ہو کہ گواہی کھینٹے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا چاہئیں۔ (فتوح البلدان ص ۳۸)

ان شواہد کے بعد اس میں قطعاً گنجائش انکار نہیں رہتی کہ ”فذک“ پیغمبر ﷺ کی مخصوص ملکیت تھا اور انہوں نے اپنی زندگی میں جناب سیدہ کو قبضہ دلا کر ہبہ کی تکمیل کر دی تھی۔ لیکن حضرت ابو بکر نے اس کا قبضہ چھین کر آپ کو بے دخل کر دیا اور اسی سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام اور ام ایمن کی گواہی اس وجہ سے مسترد کر دی کہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے نصاب شہادت مکمل نہیں ہوتا۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب فذک پر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا قبضہ مسلم ہے، جیسا کہ حضرت نے بھی اس مکتوب میں: «بِئْسَى كَانَتْ فِي آيِدِينَا فَذَكَ» سے اس کی صراحت کی ہے تو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے ان کے دعویٰ پر ثبوت طلب کرنے کے کیا معنی ہوتے ہیں، جبکہ بار ثبوت اس کے ذمہ نہیں ہوتا جس کا قبضہ ہو، بلکہ جو اس کے خلاف دعویٰ کرے ثبوت کا بہم پہنچانا بھی اس کے ذمہ ہوتا ہے، کیونکہ قبضہ خود ایک دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہذا حضرت ابو بکر پر یہ امر عائد ہوتا تھا کہ وہ اپنے تصرف کے جواز پر کوئی ثبوت پیش کرتے اور در صورتیکہ وہ اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل نہ لاسکے، جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا قبضہ ان کی صحیح ملکیت کا ثبوت ہوگا اور اس صورت میں ان سے کسی اور ثبوت اور مشاہدہ کا مطالبہ کرنا بنیادی طور پر غلط ہوگا۔

حیرت اس پر ہوتی ہے کہ جب حضرت ابو بکر کے سامنے اسی نوعیت کے اور قضا یا پیش ہوتے ہیں تو وہ محض دعویٰ کی بنا پر مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیتے ہیں۔ نہ اس سے ثبوت طلب کیا جاتا ہے اور نہ گواہوں کا مطالبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری تحریر کرتے ہیں:

اگر یہ اصول ہمہ گیر اور عام تھا تو ہر موقع پر اس کا لحاظ ہونا چاہیے تھا، حالانکہ بعض موارد پر اس کی پابندی نظر نہیں آتی۔ چنانچہ جب ایک اعرابی نے ناقد کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ سے جھگڑا کیا، تو خزیمہ ابن ثابت نے پیغمبر ﷺ کے حق میں گواہی دی اور اس ایک گواہی کو دو گواہیوں کے برابر قرار دیا گیا، کیونکہ جن کے حق میں یہ گواہی تھی ان کی دیانت و صداقت میں کوئی شبہ نہ تھا، اس لئے نہ آہ شہادت کے عموم میں کچھ رخنہ پڑا اور نہ اسے آئین شہادت کے خلاف سمجھا گیا۔ تو اگر یہاں پیغمبر ﷺ کی صداقت کے پیش نظر ان کے حق میں ایک گواہی کافی سمجھی گئی تو کیا جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی اخلاقی عظمت و راست گفتاری کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام و ائم ایمن کی گواہی کو ان کے حق میں کافی نہیں سمجھا جاسکتا تھا؟ اس کے علاوہ اس آیت میں حصر نہیں کیا گیا کہ ان دو صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت اثبات مدعا کیلئے نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ نے ”احتقاق الحق“ باب المطاعن میں تحریر کیا ہے:

معترض کا یہ کہنا کہ ائم ایمن کی گواہی سے نصاب شہادت ناممکن رہتا ہے، یہ اس بنا پر غلط ہے کہ بعض احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک گواہ اور حلف سے بھی حکم لگانا جائز ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن کا حکم منسوخ قرار پائے، کیونکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے حکم لگایا جاسکتا ہے اور ان کی گواہی سند و حجت ہے۔ مگر اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اگر شہادت کے علاوہ کوئی اور دلیل ہو تو وہ قابل قبول نہیں ہے اور نہ اس کی بنا پر حکم لگایا جاسکتا ہے۔ مگر یہ کہ یہ کہا جائے کہ اس کا مفہوم (لازمی معنی) یہی نکلتا ہے۔ لیکن (ہر مورد میں) مفہوم حجت نہیں ہوتا۔ لہذا اس مفہوم کو برطرف کیا جاسکتا ہے، جبکہ حدیث میں اس مفہوم کے خلاف صراحت موجود ہے اور مفہوم کو برطرف کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت منسوخ ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ آیت میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی میں اختیار دیا گیا ہے اور اگر از روئے حدیث ان دو شقوں میں ایک شق کا اور اضافہ ہو جائے اور وہ یہ کہ ایک گواہی اور قسم سے بھی فیصلہ ہو سکتا ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ قرآنی آیت کا حکم منسوخ ہو جائے۔

بہر حال اس جواب سے یہ امر واضح ہے کہ مذعی اپنے دعویٰ کے اثبات کیلئے اس کا محتاج نہیں کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پیش کرے، بلکہ اگر ایک شاہد کے ساتھ حلف اٹھائے تو اسے اس کے دعویٰ میں سچا سمجھتے ہوئے اس کے حق میں فیصلہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ملا علی مرتضیٰ تحریر کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَ أَبَا بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ كَانُوا يَقْضُونَ بِشَهَادَةِ الْوَاحِدِ وَ يَبَيِّنُ الْمُدْعَى .

رسول اللہ ﷺ، ابو بکر، عمر اور عثمان ایک گواہی اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔ (سنن العمال، ج ۴، ص ۶)

جب ایک گواہ اور قسم پر فیصلے ہوتے رہتے تھے تو اگر حضرت ابو بکر کی نظر میں نصاب شہادت ناممکن تھا تو وہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے قسم لے لیتے اور ان کے حق میں فیصلہ کر دیتے۔ مگر یہاں تو مقصد ہی یہ تھا کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی صداقت کو مجروح کیا جائے تاکہ آئندہ کسی منزل پر ان

کی تصدیق کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔

بہر صورت جب اس طرح جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دعویٰ مسترد کر دیا گیا اور فدک کو ہر رسولؐ نہ سمجھا گیا تو آپؐ نے میراث کی رو سے اس کا مطالبہ کیا کہ اگر تم یہ نہیں مانتے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہبہ کیا تھا تو اس سے تو انکار نہیں کر سکتے کہ فدک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص ملکیت تھا اور میں ان کی تہاوارث ہوں۔ چنانچہ عبدالکریم شہرستانی تحریر کرتے ہیں:

وَ دَعْوَى فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَرَائَهُ تَارَةً، وَ تَمْلِيكَ اُخْرَى، حَتَّى دُفِعَتْ عَنْ ذَلِكَ بِالرِّوَايَةِ الْمَشْهُورَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ. جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ وراثت کی رو سے دعویٰ کیا اور ایک دفعہ ملکیت کی رو سے مگر آپؐ کو اس سے محروم کر دیا گیا اس مشہور روایت کی وجہ سے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ: ہم گروہ انبیاءؑ کی کو اپنا وارث نہیں بناتے، بلکہ جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ (کتاب الملل والنحل ص ۹)

اس قول کا جسے حدیث رسولؐ کہہ کر پیش کیا گیا حضرت ابو بکر کے علاوہ کسی کو علم نہ تھا اور نہ صحابہ میں سے کسی اور نے اسے سنا تھا۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے تحریر کیا ہے کہ:

اِخْتَلَفُوا فِي مِيرَاثِهِ فَمَا وَجَدُوا عِنْدَ أَحَدٍ مِنْ ذَلِكَ عَلَمًا، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّا مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کی میراث کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا اور کسی کے پاس اس کے متعلق کوئی اطلاع نہ تھی۔ البتہ ابو بکر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ: ہم گروہ انبیاءؑ کی کو اپنا وارث نہیں بناتے، بلکہ جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۵۴)

عقل یہ تسلیم کرنے سے انکاری ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان افراد کو جو آپؐ کے وارث سمجھے جاسکتے تھے، یہ تک نہ بتائیں کہ وہ وارث نہیں ہوں گے اور ایک اجنبی کو کہ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا یہ بتا جائیں کہ ان کا کوئی وارث نہیں ہے۔ پھر یہ روایت اس وقت منظر عام پر لائی جاتی ہے کہ جب فدک کا مقدمہ آپؐ کی عدالت میں دائر ہو چکا تھا اور وہ خود اس میں ایک فریق مخالف کی حیثیت رکھتے تھے، تو ایسی صورت میں ان کا اپنی تائید میں ایسی روایت پیش کرنا جو صرف انہی سے سنی گئی ہو، کیونکر قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابو بکر کی جلالت قدر کے پیش نظر اس روایت پر اعتماد کرنا چاہیے تو اگر ان کی عظمت و منزلت کی بنا پر اس روایت پر وثوق کیا جاسکتا ہے تو کیا جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی دیانت و راست بازی کے پیش نظر ان کے دعوئے ہبہ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا؟ جبکہ امیر المؤمنین علیہ السلام اور ائمہ ایمان کی شہادت بھی ان کے حق میں ہو اور اگر اس سلسلہ میں مزید شہادت کی ضرورت محسوس کی گئی تو اس روایت کیلئے بھی شہادت طلب کی جاسکتی ہے، جبکہ یہ روایت قرآن کے عمومی حکم وراثت کے بھی مخالف ہے اور ایسی روایت جو روایت کمزور اور

درايۃً مقدوح و مجروح ہو، قرآن کے عمومی حکم وراثت کی محصص کیونکہ قرار پاسکتی ہے، جبکہ قرآن میں انبیاء علیہم السلام کی وراثت کا صراحتاً تذکرہ موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ﴾

سليمان داؤد کے وارث ہوئے۔ ۱

دوسرے موقع پر جناب زکریا علیہ السلام کی زبانی ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ حَفِصَةُ الْمَوَالِي مِنْ وَرَآءِي وَكَانَتْ اَمْرًا اِنِّي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۗ ﴿٥﴾ يٰرَبِّ ثُبْنِي وَبَرِّئْتُ

مِنْ اٰلِ يَعْقُوبَ ۗ ﴿٦﴾ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۗ ﴿٧﴾﴾

میں اپنے بعد اپنے بنی اعمام سے ڈرتا ہوں۔ اس لئے کہ میری بیوی بے اولاد ہے۔ (اے اللہ!) تو مجھ کو اپنی طرف سے ایک ولی عطا فرما جو میر اور اولاد یعقوب کا وارث ہو اور اے اللہ! تو اسے پسندیدہ قرار دے۔ ۲

ان آیات میں ورثہ سے مال ہی کا ورثہ مراد ہے اور اسے معنی مجازی پر محمول کرتے ہوئے علم و نبوت کا ورثہ مراد لینا نہ صرف بعید بلکہ واقعیت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ علم و نبوت ورثہ میں ملنے والی چیزیں نہیں ہیں اور نہ ان میں بطور ورثہ منتقل ہونے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ اگر یہ ورثہ میں منتقل ہوا کرتیں تو پھر تمام انبیاء علیہم السلام کی اولاد کو نبی ہونا چاہیے تھا۔ اس تفریق کے کوئی معنی نہیں کہ بعض انبیاء علیہم السلام کی اولاد کو ورثہ نبوت ملے اور بعض کو اس سے محروم کر دیا جائے۔ حیرت ہے کہ نبوت کے بطور ورثہ منتقل ہونے کا نظریہ ان لوگوں کی طرف سے پیش ہوتا ہے جو ہمیشہ سے شیعوں پر یہ اعتراض کرتے چلے آئے ہیں کہ انہوں نے امامت و خلافت کو ایک موروثی چیز قرار دے کر اسے ایک ہی خاندان میں منحصر کر دیا ہے، تو کیا یہاں ورثہ نبوت مراد لینے سے نبوت ایک موروثی چیز بن کر نہ رہ جائے گی۔

اگر حضرت ابو بکر کی نظر میں اس حدیث کی رو سے پیغمبر ﷺ کا کوئی وارث نہیں ہو سکتا تھا تو اس وقت یہ حدیث کہاں تھی کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق وراثت تسلیم کرتے ہوئے دستاویز تحریر کر دی تھی۔ چنانچہ صاحب سیرت حلبیہ، بسط ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں:

إِنَّ فَاطِمَةَ جَاءَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَتْ: يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنِّي كِتَابُ اللَّهِ أَنْ تَرِثَ ابْنَتَكَ وَلَا أَرِثُ أَبِي، فَاسْتَعْبَرُ أَبُو بَكْرٍ بَاكِيًّا، ثُمَّ نَزَلَ فَكَتَبَ لَهَا بِفَدْلِكَ، وَدَخَلَ عَلَيْهِ عَمْرٌ فَقَالَ: مَا هَذَا؟ فَقَالَ: كِتَابُ كَتَبْتُهُ لِفَاطِمَةَ مِيرَاثَهَا مِنْ أَبِيهَا، قَالَ: فَمَاذَا تُنْفِقُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَقَدْ حَارَبْتَكَ الْعَرَبُ كَمَا تَرَى، ثُمَّ أَخَذَ عَمْرٌ الْكِتَابَ فَشَقَّهُ.

حضرت ابو بکر منبر پر تھے کہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور فرمایا کہ: قرآن میں یہ تو ہو کہ تمہاری بیٹی تمہاری وارث بنے اور میں اپنے باپ کا ورثہ نہ پاؤں۔ اس پر حضرت ابو بکر رونے لگے اور منبر سے نیچے اتر آئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو

۱۔ سورہ نمل، آیت ۱۶۔

۲۔ سورہ مریم، آیت ۶۔

دستاویز لکھ دی۔ اتنے میں حضرت عمر آئے اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت ابو بکر نے کہا کہ: میں نے حضرت فاطمہ ؓ کیلئے میراث کا نوشتہ لکھ دیا ہے کہ جو انہیں ان کے باپ کی طرف سے پہنچتی ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ: پھر مسلمانوں پر کیا صرف کرو گے، جبکہ عرب تم سے جنگ کیلئے آمادہ ہیں۔ اور یہ کہہ کر حضرت عمر نے وہ تحریر چاک کر ڈالی۔ (سیرت علیہ، ج ۳ ص ۴۰۰)

اس طرز عمل کو دیکھنے کے بعد ہر صاحب بصیرت باسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ یہ روایت خود ساختہ اور غلط ہے اور صرف فداک پر تصرف حاصل کرنے کیلئے گڑھی لگتی تھی۔ چنانچہ جناب سیدہ ؓ نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا کہ حضرت ابو بکر و عمر کے بارے میں وصیت فرمادی کہ یہ دونوں ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ جناب سیدہ ؓ کی اس ناراضگی کو جذبات پر معمول کرتے ہوئے اس کی اہمیت کو کم کرنا صحیح جذبہ کی بنا پر نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ ناراضگی جذبات کے ماتحت ہوتی تو امیر المؤمنین ؓ پر حضرت زہرا ؓ کی اس بے محل ناراضگی کو روکتے، مگر کوئی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ جناب امیر ؓ نے اس ناراضگی کو بے محل سمجھا ہو۔ اور پھر آپ کی ناراضگی ذاتی رنجش اور جذبات کے نتیجے میں ہو کیسے سکتی تھی، جبکہ ان کی خوشنودی و ناخوشنودی عین منشاء الہی کے مطابق ہوتی تھی۔ چنانچہ پیغمبر اکرم ؐ کا یہ ارشاد اس کا شاہد ہے:

يَا فَاطِمَةُ! إِنَّ اللَّهَ يَغْضِبُ لِعْظَمِكَ وَيَرْضَى لِرِضَاكَ۔

اے فاطمہ! اللہ تمہارے غضب سے غضبناک اور تمہاری خوشنودی سے خوشنود ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆